



ایک دفعہ ایک سفید شکاری نے کہہ دیا کہ
وہ شکاری نے جانور، منتخب نہیں کرتا تھا
ایک دفعہ بدلتے، سیم تھے کہہ مانتے
اے فخر تھا کہ اسے کاٹم ہر دنیا کا سب سے مشہور اور جزائر مند آدمی ہے
برائے والے • خالدہ اقبال

دو میری پوری شکاری زندگی کا ایک نازک اور خون ناک
واقعہ تھا۔ ایسے واقعات افریقہ ہی کے خطرناک جنگل جنم لے سکتے ہیں۔ مجھے
یہ واقعہ اپنی کتاب سفید شکاری کی سوانح حیات میں شامل کرنا چاہیے
تھا مگر مفسر کہہ کر رکھا۔ کتاب اشاعت کے لیے پیش کر کے حوالے کی جا چکی
تھی میں آج کل اسی سلسلے میں مین ہٹن آیا ہوا تھا۔ مین ہٹن بازاروں
میں ہزاروں لوگوں کو ادھر ادھر گھومتے دیکھ کر مجھے بڑی وحشت ہوتی تھی
اس لیے میں ایک معمولی مگر پُر سکون ہوٹل کے کمرے میں بند ہو گیا تھا مگر
اپنا راشن یا اسکاچ و جکی لینے کے لیے نکلتا۔ اپنا ہنگ فون کی گھنٹی
بجی۔ میں نے ریورٹھا لیا۔ آواز آئی۔ ایک خاتون آپ سے ملنے آئی
میں جناب! میں نے دیواری آئینے میں اپنا عکس دیکھا اور سوچا کہ کاش
میں کچھ جوان ہوتا یا کم سے کم قبول موت ہوتا، پھر مجھے ایک دم خیال
آیا کہ یہ کون خاتون ہو سکتی ہیں۔ اس شہر میں تو میری کسی سے شناسائی

نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں میرے پیش کرنے کسی کام سے بھیجا ہو۔ میں
نے فون میں کہا۔ پلیز اُن کا نام پوچھ لیجیے۔
ایک لمحے بعد جواب آیا۔ مسز فرینک۔
یہ نام سننے ہی مجھے چکر سا آگیا! اسی نام سے وہ واقعہ وابستہ
تھا جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ میں نے کمرے کی تکی نہیں ہلائی تھی
اندھیرے میں مجھے بھوت سے نظر آنے لگے۔ ساتھ ہی میرے ذہن نے
میں حوطہ لگایا اور مجھے رہوڈیشی کے سگتے میدان یاد آئے۔ میں نے جانی
پہاڑی کے پس منظر سے زوروریت کے مرغولے اٹھتے دیکھے اور بندہ قتل
دھماکے سے۔ فضا میں خون کی تلخ باس بکھر گئی۔ پھر میں نے وہ خوننگ
آوازیں سنیں جنہیں دوسری بار بھی نہ سننے کی تمنا تھی۔ میں اُن آوازوں
کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ آوازیں وہ عزائم آج بھی ہر
ہوا پر سوار میرا تعاقب کر رہی تھیں۔

<https://www.facebook.com/groups/372605677178945/>
Zegham imran



”بھئی یہاں آنے سے پہلے فون کر لینا چاہیے تھا۔“ اُس نے دھبی
آوازیں کہا۔ ”میں آپ کو بے وقت تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔“
”تکلیف کی کوئی بات نہیں۔ ویسے مسز فرینک، کیا آپ اُسی فرینک
سے تعلق رکھتی ہیں جو بہت بڑا شکاری ہے؟“ فرینک بھاری ہنسنے اور
چھٹ چار پانچ کا ایک لمبا طنز لگا آدمی تھا۔

مسز فرینک نے اپنی ٹھوڑی اٹھائی، ”مجھے ایسا لگا جیسے وہ تقوٰۃ
میں فرینک کو دیکھ رہی ہو، کہنے لگی۔ ”جی ہاں، میں اُسی فرینک کی
بیوی ہوں۔ یہاں صرف ایک فرینک ہے اور یہیں کیا، وہ پوری
دینا میں اپنے ڈھب کا واحد آدمی ہے۔“
”وہی فرینک نا بھئی جانوروں کے سر جمع کرنے کا شوق ہے؟“
میں نے دریافت کیا۔

”جی ہاں وہی مگر اب وہ شکار نہیں کھینتا، میرا مطلب ہے بڑا

”میں ابھی آ رہا ہوں۔“ میں فون رکھنے ہی والا تھا کہ فون پر
اطلاع دی گئی۔ ”وہ اوپر ہی آ رہی ہیں مسز فرینک؟“
میں نے جلدی سے کپڑے پہنے اور اسکاٹچ کا ایک ڈبل پیگ
گلے سے اتار لیا۔ گھنٹی بجنے میں دیر نہیں لگی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔
ایک زرد وندہ دُوبلی پتلی اور سہی سہی رکی میرے سامنے کھڑی تھی۔ وہ
ایسے کھڑی تھی جیسے موقع ملے ہی بھاگ اٹھے گی۔ اُس کی پیشانی پر بے
ترتیب شیش بھری ہوئی تھیں اور اگر اُس نے ایک اپ کیا تھا تو وہ بہت
ہلکا تھا یا اتر چکا تھا۔ اُس کی آنکھیں بے خوابی اور پریشانی کے سیاہ
حلقے میں گھری ہوئی تھیں۔ میرے دل میں اُس کے لیے مہر دی پیدا
ہو گئی تھی۔ دیکھ کے کسی بے گھر بچے کا احساس ہوتا تھا۔ وہ اپنا کندھا
اس طرح جھکائے ہوئے تھی جیسے اُسے مار کھانے کی توقع ہو۔ اُس کی
نظریں نیچے پر کم فرش اور دیواروں پر زیادہ پڑ رہی تھیں۔



شکار نہیں کھیلتا۔ شادی کے تھوڑے ہی عرصے بعد اُس نے یہ کام چھوڑ دیا تھا۔

”بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔“ میں نے کہا۔ ”میری مراد ہے جانوروں کے لیے آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں سسر فرینک؟“

”فرینک ہی کے سلسلے میں آئی ہوں مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ میں نے یہاں اگر حاکمیت کی ہے۔ آپ بھلا میرے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ ہتھ پرے کبھی اجازت دیجیے۔ مجھے تین بچے اپنے انفیات داں کے پاس پہنچا ہے۔“

”آپ کے پاس بھی تقریباً ایک گھنٹہ ہے۔“ میں نے گھڑی دیکھ کر بتایا۔ اندھا جانیے۔

وہ جلدی سے اندھا لگی انعامیادہ فوجیوں کی طرح احکام پر عمل کرنے کی عادی تھی۔ میں نے اُس کا کوٹ لیا اور اسکا پرچہ دو جام بنائے۔ ”بیٹھ جائیے۔“ اُنید ہے آپ اسکا پرچہ پنا پسند کریں گی۔ میں نے کہا۔ ”مجھے یہی پسند ہے۔ یہاں آدمی رقت نہیں ہے اس لیے میرے پاس صرف اسکا پرچہ ہے۔ سوڑے کے بغیر یا ساتھ؟“

”ادہ شکریہ۔ میں ایسی کوئی چیز نہیں پی سکتی۔“ وہ جھنجھی ہوئی سی بولی۔ ”فرینک کہتا ہے کہ اگر میں نے بھی ایسا کیا تو یہ بڑی غیر ذمے داری ہوگی۔ وہ اجازت کے بغیر میرا گھر سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی اُس کی نظر میں غیر ذمے داری ہے کیونکہ اُس کا خیال ہے مجھے کوئی نفیاتی بیماری ہوگئی ہے اور میرا ذہن ٹھیک طرح کام نہیں کرتا۔“ وہ چند لمحوں تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”فرینک مزاح کا بڑا خواہش ہے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں اور۔۔۔۔۔ اور میں اب مزید سزا پانا نہیں چاہتی۔“

میں مسکرایا۔ ”سزا کے طور پر آپ کو کسی کونے میں بٹھا دیا جاتا ہوگا یا رات کو بھوکے سونے کے لیے کہا جاتا ہوگا؟“

”اس سے بھی بڑی بات ہوتی ہے فرینک مجھے مکان میں بند کر دیتا ہے اور انفیات داں ڈاکٹر روزر کے سوا کہیں نہیں جانے دیتا کبھی کبھی مجھے یہ قید مہینوں جگہ تہی پڑتی ہے۔“

میں نے ایک گلاس اُس کی طرف کھسکایا اور دوسرا اپنے سامنے رکھ لیا۔ ”دو خاموشی تھی۔ میں نے اپنا پسندیدہ خوشبودار سگار جلا لیا مگر سگار میں بالکل مزا نہیں آیا۔ یہ لڑکی مجھے ایسی لگ رہی تھی جیسے فولادی چترے میں بند کوئی چڑیا آزادی کے لیے بے کار جدوجہد کر رہی ہو۔ اُس کے گھٹنے ملے ہوئے تھے اور اُن پر وہ اسکرٹ کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی اُس

کا ہاتھ گلاس سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ میں نے اپنا گلاس اٹھایا۔ آپ کا حال تو معلوم ہو گیا مگر آپ کے اُس بندوق باز بوزے فرینک کا کیا حال ہے؟“

”میں کبھی کبھی ایک بے وقوفی کی بات سوچتی ہوں۔“ اُس نے ٹھیکیاں پھینچ لیں۔ ”میرا مطلب ہے مجھے یہ خوش فہمی ہے کہ میں فرینک کی مدد کرنے کے قابل ہوں۔ ڈاکٹر روزر کا دفتر یہاں سے تھوڑی دور ہے۔ میں پہلے وہاں جا رہی تھی پھر نہ جانے کیسے یہاں آ گئی۔“

میں نے پوچھا۔ ”اُسے کیسے پتہ چلا کہ میں یہاں آیا ہوا ہوں؟ اُس نے بتایا کہ میرے آنے کی خبر اخبار میں اُس کی نظر سے گزری تھی اُس نے سنا شاید میں وہی ونڈی ہوں جو شکار میں فرینک کا گنڈہ چکا ہے۔ فرینک نے اُسے میرا نام بتایا تھا اور اُس نے شکار پر میرے مضامین بھی پڑھے تھے۔ اب وہ فرینک کی مدد کرنے کے لیے میری مدد چاہتی تھی۔ میں نے حیران سے پوچھا۔ ”آپ فرینک کی مدد کرنا چاہتی ہیں؟ فرینک کی؟“

وہ بچوں کی طرح کھڑکی کے شیشے سے ہر سات دیکھتی رہی۔ ”فرینک کو مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر وہ تھکے ہوئے لمبے میں بولی۔ ”اُسے اپنے ہوا کسی شخص یا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے نہ شاید کبھی ہوگی۔ وہ تو فولاد ہے اور فولاد کی طرح سخت۔“

”اُسے کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟“ میں نے تجسس سے پوچھا۔

فرینک کی بیوی نے تین بار آنکھیں جھپکائیں۔ ”باقی ہوں۔“ لکھی ہے۔ ”یہ محض میرا دم ہو۔“ ہنسیے گائیں۔ ”مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کئی چیز سے خوف زدہ ہو۔“ میں چونک گیا۔ اس نے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ فرینک اور خوف زدہ؟“

میں صرف سر ہلا کے رہ گیا۔ ہماری آنکھیں ایک لمحے کے لیے کھلیں۔ میں نے سوال کیا۔ ”فرینک کس سے خوف زدہ ہے؟“

”وہ کبھی کسی سے خوف زدہ نہیں ہوا۔“ وہی نہیں سکتا۔ ”وہ لگ لاگ آئی لینڈ میں ہمارا ایک مکان ہے۔ پچیس کمرے کا۔ ہر کمرے کی ہر دیوار پر جنگلی جانوروں کے سر سے ہوئے ہیں۔ دنیا کے خطرناک ترین جانوروں کے سر۔ فرینک نے مجھے بتایا تھا کہ سب کچھ اُسی کا کاٹا سر ہے۔ اُس نے تنگ بھر سی کیا ہے۔ وہ ہر بات پر قہقہے لگاتا ہے۔ اُن باتوں پر بھی جن سے بڑے بڑے بہادر ڈرتے ہیں۔ اب بھی وہ قہقہے ہی لگاتا رہتا ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سا مسکراہٹ پھیل گئی۔ فرینک سائے آتا ہے تو سب پر پھانسا ہے۔ لوگ بے اختیار اُسے خود سے بڑا سمجھ لیتے ہیں۔ وہ دوسرے مردوں کی جی نہیں ہے۔ اُن سے کہیں بلند ہے اور ایسے آدمی سے سبلی واقفیت بھی بڑا لیب کی بات ہے۔ اُس کی خوف ناک اور حیرت انگیز طاقت میں۔“

گلاس سیرا تھ سے چھوٹ گیا۔ میرے جسم سے پسینہ چھوٹ پڑا۔
کی تاریکی کچھ اور بڑھ گئی۔ ہاں۔ میں نے خود کو کہتے سنا۔ ایسی ہی
ایک بات تھی۔

بے شک وہ بے انتہا دلیر آدمی تھا۔ ہم لوگوں نے اُس کا نام
"ماسبا" رکھ چھوڑا تھا۔ ماسبا کا مطلب ہے "وہ آدمی جو شیر کے سامنے
قہقہے لگائے۔ دوسرے شکاریوں کی طرح اُس نے کبھی خفاقی اختیار نہیں
کھوئی تھی۔ وہ فولادی چادر چڑھے ہوئے ٹرک کے پیچھے سے کبھی گولی نہیں
چلاتا تھا، نہ کسی درخت کی اوٹ لیتا تھا، نہ کبھی اُس نے بندوق بردار
سیاہ فاموں کو اپنے قریب لکھا۔ وہ انتہائی خطرہ مول لے کر تنہا شکار کھیتا
تھا۔ میں نے اپنی پوری گامد لائف میں اُس کے سوا کسی کو افریقہ کے
خون خوار دندے تنہا شکار کرتے نہیں دیکھا۔

زندگی سے اُس کی بے پروائی دوسرے کو بھی خطرے میں ڈال دیتی
تھی۔ اُس نے اپنی قوت اور شان کے سوا کبھی کسی بات کی پروا نہیں
کی۔ شکاری کی حیثیت سے اُس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں بہت
سے شہر شکاریوں سے واقف ہوں، وہ سب بڑے با اصول تھے اور شاق سے
شکار کھیتے تھے مگر فرینک کا انداز اُن سب سے مختلف تھا۔ وہ ایسے شکاریوں
میں سے تھا جو صرف خون بہانے کی خاطر یہ شغل اختیار کرتے ہیں۔ وہ کبھی
کسی مخصوص جانور کے لیے نہیں نکلتا تھا، بس چونکر لگتا تھا "اُسے گولی کاٹنا
بنا دیا۔ فرینک کو خون بہانے کا جھوٹا بندوق اُس کے لیے ایک کھلونا
تھی، وہ اُس سے ہرقت کھیتا رہتا تھا اپنے ماسے ہوئے جانوروں
کے سر جمع کن اُس کی خاص عادت تھی۔ سنا ہے اس سلسلے میں اُس نے
کئی اخلاقیات بھی جیتے تھے۔

فرینک ملاقات کے وقت میں فیصلہ کر چکا تھا کہ گامد کا کام
ترک کر دوں گا، میں شکار سے تھک چکا تھا اب وہ لوگ مجھے زیادہ

جاننے کیا بات ہے، اُس کی موجودی میں تحفظ کا احساس رہتا ہے بے
چارگی یا بے بسی قطعی محسوس نہیں ہوتی۔ اتنا بڑا گھرانہ کوئی ذمہ داری
نہ کوئی کام۔ میں جانتی ہوں کہ وہ ہمیشہ میری حفاظت کرے گا اور میرے لیے
کبھی کوئی پریشانی پیدا نہیں ہونے لے گا۔ اُس کا بچلا ہونٹ کپکپانے لگا۔
اُس نے اُسے دانتوں میں دبایا۔

میں نے چپ توڑی۔ فرض کر دو کہ فرینک واقعی کسی بات سے ڈرا
ہوا ہے تو اُس کے ڈرنے سے میرا کیا تعلق؟
"میں سمجھتی ہوں اگر وہ کسی چیز سے خوف زدہ ہے، میرا مطلب
ہے ذرا بھی خوف زدہ تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ کس چیز سے خوف زدہ ہے۔"
"مجھے کیسے معلوم ہے؟"
"آپ جنگلوں میں اُس کے ساتھ رہے ہیں نا دیکھیے، میں بتاتی ہوں۔
اُسے بڑے ڈرائے خواب دکھائی دیتے ہیں ایسے خوابوں کا سبب کوئی دبا
ہوا خوف ہی ہو سکتا ہے۔"

"مگر اس سلسلے میں تم میرے پاس کیوں آئی ہو؟"
"میں نے سوچا کہ آپ سے مل کر اُس کے خوف کی وجہ معلوم کروں
گی اور اُسے بتا دوں گی۔ پھر وہ شعوری طور پر اُس خوف سے واقف ہو
جائے گا اور اس طرح اُس سے چھٹکارا پالے گا، ڈرائے خواب بند ہو
جائیں گے۔ ڈاکٹر روزر کہتے ہیں شعوری طور پر کسی خوف کا سامنا کرنا مشکل
نہیں مگر لاشعور میں دبا ہوا خوف بہت برا ہوتا ہے۔ لاشعوری خوف اندر
ہی اندر پھلتا رہتا ہے اور مضبوط ترین آدمی کو بھی بیمار ڈال دیتا ہے۔
فرینک کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ خواب دیکھتا ہے۔ میں نے اُس سے
تذکرہ کیا تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ کہنے لگا کہ وہ کبھی خواب نہیں دیکھتا۔
آہ فرینک کبھی تسلیم نہیں کرے گا، کڑی نہیں سکتا، خود سے بھی نہیں۔
اسی وجہ سے وہ ڈرائے خواب دیکھتا ہے۔"

"مگر مسز فرینک! مجھے کیا پتہ کہ وہ کس بات سے خوف زدہ ہے؟
"آپ کو پتہ ہے مسز وینڈی! کیوں کہ اُس کے ہر ڈرائے خواب
میں آپ موجود ہوتے ہیں تقریباً ہر خواب میں۔"
"یقین سے کہہ رہی ہیں آپ؟"

"جی ہاں، وہ آپ کا نام لیتا ہے، بسا اوقات آپ کا نام لے
کر بُری طرح چلاتا ہے۔" وہ کسی قدر میری طرف جھک گئی۔ میں نے
اُسے کئی بار پلاتے سنا ہے: میری مدد کرو وینڈی! خدا کے لیے میری مدد
کرو! انہیں نچو سے دور کرو۔ مجھے ان سے بچاؤ۔ وہ میری آنکھوں
میں جھانک کر اُسی سے سُکرائی۔ اس کا کیا مطلب مسز وینڈی؟

افور شعور

کی غزلوں کا
پہلا مجموعہ

یہ سمجھتا ہے ہر آنے والا
میں نہ آؤں تو مٹا شامی نہ ہو

جلد شائع
ہو رہا ہے

سب رنگ ایڈمی

۳۱ پریس چیمبر چمنسٹی گروڈ، کوئٹہ

پسند نہیں ہے تھے جو محض اپنی تفریح کی خاطر جانوروں کا خون کرتے ہیں۔
مجھے کانگو سے لوٹے چار ماہ ہوئے تھے۔ وہاں میں جرمنی کے ایک گودیا
شکاری کے ساتھ گیا تھا۔ اب میری خواہش تھی کہ کچھ آرام کروں مگر اچانک
ایک پرانے دوست کا تار آیا کہ میں اُس کے ایک دوست فرینک کے ساتھ
شکار پر چلا جاؤں۔ تار میں مجھ سے دوستی کے نام پر یہ دتے داری سنبھالنے
کی درخواست کی گئی تھی۔ میں انکار نہ کر سکا۔

فرینک میں سرکشی اور وحشت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اُس
کے پاس آدمی تھے، بند قیں تھیں اور ٹرک تھے۔ وہ پوسے ساز دسامان
سے بیس ہو کر شکار کھیلنے نکلا تھا اور اُسے زینبزی پارک کے شیروں کے علاقے
میں جانے کے لیے گاؤ کی ضرورت تھی۔ وہ جانتا تھا کہ شیر جانوروں سے
ماں مال علاقوں میں رہتے ہیں، وہ اُن جانوروں میں سے اپنا حق وصول
کرنا چاہتا تھا۔ میں اُس کے ساتھ شمالی ہونڈیشیا کے دریائے لونگا کی طرف
چل دیا۔

ہمارا شکاری قافلہ آرام کے لیے بھی اُس وقت تک کہیں نہیں رکا
جب تک آخری اور دہشت ناک حادثہ پیش نہ آگیا۔ فرینک پر شکار
کے بجائے جانوروں کے قتل عام کا جنون سوار تھا، اِس جنون نے اُس
میں ایک ناقابل یقین قوت برپا کر دی تھی۔ وہ جانوروں کو مارتا
جو اسل چلتا رہتا اور مجھ سے راستہ دریافت کرنے کے سوا کوئی بات
نہ کرتا۔ اُس کا مقصد کم سے کم عرصے میں زیادہ سے زیادہ جانور مارنا تھا۔
میرے ساتھ میرا ملازم گومی بھی تھا، یہ مقامی نوجوان برسوں سے
میرے ساتھ تھا۔ اُس آنکھوں والا دہلا پتلا گومی انتہائی وفادار آدمی
تھا۔ ہم دونوں میں باپ بیٹے جیسی محبت تھی۔ ہزاروں شکاروں میں ہم ساتھ
رہتے تھے اور ایک دوسرے کے جذبات احساسات پوری طرح سمجھتے تھے فرینک
میں ہم دونوں نے موت کی خوشبو سونگھی تھی۔

وہ برابر آگے بڑھا جا رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ تھکن کی
حالت میں شکار کرنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے، وہ ہنس پڑا پھر بہت بے
رحمی اور بے پروائی سے آگے بڑھ گیا۔ ظاہر ہے ان حالات میں حادثے
ہونے تھے۔ فرینک پر ساتھیوں کی موت یا اپنے زخموں کا کوئی اثر نہیں ہوتا
تھا بلکہ اُس کی مہم جوئی اور بڑھ جاتی تھی۔

وہ آگے بڑھتا رہا۔ اُس کی وجہ سے سب کو صبح بہت جلد اٹھنا
پڑتا۔ اکثر وہ اکیلا نکل جاتا اور پوری پوری رات کیمپ نہ لگاتا۔ وہ
ہر اُس چیز کو مار گرتا جو اسے متحرک نظر آتی۔ وہ کہتا تھا کہ اُسے افریقہ کے سب
سے بڑے دانتوں والے باغی کی ضرورت ہے، جب تک اُس باغی کو شکار

نہ کرے، کوئی چیز نہیں چھوڑے گا۔ افریقہ کی مجلسائینے والی دھوپ میں ہم
سب بڑا حال تھا۔ شدید تھکن کے باعث ہم پر خوف مسلط رہنے لگا۔ میرے
ہوتے ہی ہمیں پھر بھاگنا پڑے گا، اِس خیال سے میں بے چینی میں گھس
لیں۔ ناکیں جواب دیتی جا رہی تھیں اور پیٹ میں مردھڑانے لگی تھی۔
میں نے یہ کیفیت گومی کی آنکھوں میں دیکھی، اُس سے بھی میرا حال تھا
نہ وہ سکا۔ ہم دونوں شکار کے نام پر یہ اندھا دھند غارتگری
پسند نہیں کرتے تھے۔ میں نے فرینک سے کہا کہ ہمارے آدمی تھک گئے ہیں
اور آرام چاہتے ہیں۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے ہم سب کی طرف دیکھا
پھر اپنی بندوق لہراتا آگے بڑھ گیا، اُس نے ٹرک کے یہ بھی نہیں دیکھا کہ ہم
اُس کے پیچھے آرہے ہیں یا نہیں مگر مجھے بہر حال اُس کے ساتھ رہنا تھا کیونکہ
کہ اب فرینک کی حفاظت میرے نام اور وقار کا مسئلہ تھا۔ گومی کو بھی
میرا ساتھ دینا پڑا۔

ہم زینبزی پارک کے شیروں کے علاقے میں پہنچ گئے، ایک میدان
میں کیمپ لگایا گیا۔ یہاں اوپن ٹی زمین پر چند درخت کھڑے تھے۔ ان
طرف ایک پہاڑی سلسلہ تھا، یہ جگہ شکاریوں کی جنت تھی مختلف جانوروں
کے بے خوف گروہ جا بجا نظر آرہے تھے، وہ شکاری کو قریب آتے دیکھ کر
بھی شکل سے حرکت کرتے تھے، موتِ حال کا اندازہ انہیں دھماکنے کے
بعد ہوتا تھا جب دو چار جانور گر چکے ہوتے۔

کیمپ لگا کر ہم نے آگ جلانی اور چاروں طرف جال پھیل دیے
ہم نے گھاس بھی صاف کر دی تھی تاکہ سانپ نہ گئے ہونے ہم تک نہ پہنچ
سکیں۔ گومی اپنا چاقو تیز کرنے لگا، میں نے ہنگامی حالات کے لیے کھال
اور کچھ کارٹوس ایک کھوکھلے درخت میں چھپا دیے۔ پاس گز کے فاصلے
جانوروں کا ایک غول حیرت سے ہمیں دیکھ رہا تھا، اُن پر کتیاں بھجنا
رہی تھیں۔ اچانک گومی نے مجھے پکار کے فرینک کی طرف متوجہ کیا۔ میں
نے دیکھا کہ فرینک اپنے دو آدمیوں کے ساتھ کیمپ سے باہر چلا ہے۔ گومی
کے اشارے کے وقت وہ آدھے میل دُور جا چکے تھے۔ ہم دونوں فوراً اُن
کی طرف روانہ ہو گئے۔ گومی مسلسل بڑبڑا رہا تھا کہ اس آدمی کے سر میں بھیا
نہیں ہے۔

ہم اُن کے پاس پہنچے تو فرینک نے گومی سے آگے آگے دھننے
کو کہا کہ گومی اُن راستوں کا ماہر تھا۔ فرینک باغی کے شکار کا لالہ
رکھتا تھا۔ ہم تپتے سورج کے نیچے کانٹے دار جھاڑیوں میں راستہ ہنڈتے
آگے بڑھتے رہے۔ اِس طرح اوپن ٹی پہلی گھاس سے گز کے پہاڑوں
تک جا پہنچے۔ فرینک اپنے آدمیوں کو سستانے کا موقع دے بغیر آگے بڑھتا

رہا اور گوبی کو دوڑاتا رہا۔ گوبی آگے جاتا، راستہ دیکھتا تھا سو گھٹا، پھر آگے بڑھتا۔

آخر گوبی میرے پاس آیا، اُس نے بتایا کہ بڑے ہاتھی قریب ہیں۔ فرینک نے بھی اُس کی بات سُن لی، اُس کے قدم اور تیز ہو گئے۔ میں فرینک سے صحیح نشانے کے بارے میں بات کرنے لگا۔ فرینک جانتا تھا کہ ہاتھی کے کندھے پر گولی مارنا زیادہ موثر ہوتا ہے، اُس کی شہرہ رگ کٹ جائے تو وہ منٹوں میں مر سکتا ہے، اُسے احساس تھا کہ سر کا نشانہ زیادہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ ہاں، گولی اگر ٹھیک آنکھ میں لگے تو وہ بھیجے میں گھس کر ہاتھی کو ہلا دی ٹھنڈا کر سکتی ہے۔ فرینک خاصا ہوشیار شکاری تھا مگر ضروری نہیں کہ ہوشیار شکاری ہر بات جانتا ہو۔ افریقہ میں کوئی شخص پوری زندگی بھی صرف کرے تو وہاں کسی شکار سے پوری طرح واقف ہونے کا دعوا نہیں کر سکتا۔

گوبی نے اشارہ کیا ہم اُس کے پیچھے جھاڑیوں سے گزر کر کسی قدر اونچے خٹے میں پہنچ گئے۔ گھاس گہری، جھاڑیاں بلند اور گھنی ہوئی گئیں۔ پھر اونچے اونچے درخت آگئے۔ دھوپ کی تیزی میں کوئی گئی نہیں آتی تھی۔ ہوا کا نام و نشان نہ تھا۔ گوبی نے ایک طرف اشارہ کیا، ہم تیزی سے اُس طرف چل پڑے۔ فرینک کے آدمی درختوں کی طرف کھسک کر ٹھٹھنے لگے۔ ہم گوبی کی رہنمائی میں نیچے اترے۔ یہاں کچھ گائیں اور اُن کے بچھڑے نظر آئے۔ میں نے فرینک سے صاف صاف کہہ دیا کہ ان پر گولی مت چلانا مگر اُس نے جیسے میری بات سنی ہی نہیں۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ میں نے ایک بار پھر اُسے خبردار کیا کہ بچھڑے والی گائے کو شکار کرنا اچھا نہیں ہو گا، اگر اُس نے گائے اور اُس کے بچھڑے دونوں کو مار دیا تو پورا ریوڑ

نزہت دودھے کا ناول

ناول کی رائے ہے کہ عرصے بعد اردو میں ایک قابل ذکر ناول کا اضافہ ہوا ہے۔ قیمت ۲۰۰ روپے

خجڑاں کے بعد

ادارہ منہ رخ اردو، کراچی

آج کے افسانہ نگار طاہر نقوی کے منتخب افسانے

قیمت ۱۰۰ روپے

بندوبست کی چیخ

ادارہ ممتاز مطبوعات

۳۶۳/۱۸، نیشنل ہائی وے، کراچی

پاگل ہو جائے گا، پھر سب کو مارنا پڑے گا۔ فرینک دھیرے سے مسکرایا۔ یہ خیال دلچسپ لگا ہو۔

میں ہاتھیوں پر پرندے اُڑتے نظر آئے، ہم ہاتھیوں اور گھٹیا کے بل رینگے۔ پچاس گز سے بھی کم فاصلے پر ادبھی گھاس میں ہاتھیوں کا غول موجود تھا۔ گوبی آگے رینگ رہا تھا، فرینک اُس کے پیچھے تمام نے چلا کر فرینک کو مڑنے کے لیے کہا، اُسی وقت ہاتھیوں کی زوردار تیز گوبی، فرینک شاید میری آواز نہیں سُن سکا۔ اُس کی حالت کسی تیز معمول کی طرح لگ رہی تھی۔ گھاس بلند ہوتی گئی، حتا کہ میں سمت احساس کھو بیٹھا، زور ریت کے مرغولے اٹھنے لگے، میں نے فرینک کو کھینچ دیکھا پھر اچانک بند دھن جاگ اٹھیں۔ ہاتھیوں کی چنگھاڑ نے زمین دی۔ ایک دیوار زد ہاتھی دوڑتا ہوا میری طرف آیا۔ اُس کی سوندھنے لہرا رہی تھی۔ وہ بڑی طرح چنگھاڑا اور سیدھا گھاس میں اُلٹا، اُس کا سر میں گولی لگی تھی۔ میں نے بھی لیٹے لیٹے گولی چلائی، ہاتھی شاید بوڑھا ہو، اُس کی سوندھ میرے بہت قریب آگئی پھر وہ آخری بار چنگھاڑا اور آواز آ رہا۔ مٹی کا ایک طوفان سا اٹھا، اور میں اُس کے سپر کے نیچے دب گیا۔ بعد میں بڑی مشکل سے نکل سکا۔

• واپس آجاؤ، باس واپس آجاؤ، گوبی فرینک کے پیچھے رہا تھا، اُس کا جسم پسینے کی وجہ سے کچھ پیٹ میں لٹھڑا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ فرینک ریت کی وجہ سے اندھا ہو رہا تھا اور اُس کے انداز سے سر ہلکا ظاہر تھی۔ وہ ایک دُارے میں لہراتا ہوا دوڑ رہا تھا اور چلے جا رہا تھا۔ اب اب بھی افریقہ کے سب سے بڑے ہاتھی کی تلاش تھی۔ ہاتھی زمین پر ہوتے بھاگ رہے تھے، فرینک ریت میں اُن کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہاتھی غائب ہو گئے۔

لیکایک میں نے گوبی کی دہشت زدہ آواز سنی: دوزخی گئے، دوزخی گئے۔ میں نے ہوا میں گتوں کی مکر وہ بو محسوس کی اور ایک دم ہٹتے ہوئے سامنے نظر دوڑائی۔ شیطانی گتوں کا ایک غول کوئی آدمی کے فاصلے پر پہاڑی سے اتر کر ہماری طرف آرہا تھا۔ گتوں کی رفتار بہت تیز تھی اور بؤرہ رفتار سے بھی تیز۔ میں کھانسا جا رہا تھا اور فرینک سے چلا کر کہہ رہا تھا کہ وہ جھاڑیوں میں گھس جائے۔ ہم گتوں سے خوفزدہ ہیں محفوظ رہ سکتے تھے کیوں کہ نوکیلے کانٹوں سے وہ دور رہتے تھے مگر فرینک نے میری ایک نہ سنی۔ یا تو اُس نے میری بات سنی ہی نہیں یا مجھ پر ہنس رہا ہو گا کہ میں نے اُس جیسے ماہر شکاری کو چند گتوں سے بچنے کا مشورہ کیسے دے دیا۔ گوبی فرینک کے پیچھے بھاگ رہا تھا، اس طرح

خود بھی خطرے میں تھا اور یہ وہ صرف میری وجہ سے کر رہا تھا۔

کتنے پہاڑی سے نیچے آگئے۔ فرینک نے انہیں قریب دیکھا تو اپنی رائفل سیدھی کر لی۔ چند کشتے تھے مگر دیکھتے دیکھتے وہ پچاس کے قریب ہو گئے اور اُس کے گرد دائرہ بنانے لگے۔ اُن کے گلوں سے گھنٹیوں کی طرح جھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ افریقہ کے یہ شکاری کتے دنیا کے سب خطرناک جانور ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی صرف چیر بھاڑ کے لیے مخصوص ہے۔ انہیں خون بہانے اور غارت گری کرنے میں مزا آتا ہے۔ یہ کتے اپنا لوگرم رکھنے اور اپنی بے پایاں خوشی کے لیے شکار کرتے ہیں۔ یہ دن رات صرف اس دوڑ دھوپ میں رہتے ہیں کہ جانوروں کو اُدھیر سی اور اُلٹے ہوئے گرم خون کی لذت اور خوشبو سے لطف اٹھائیں۔ یہ مقصد انہیں ہر وقت دوڑاتا رہتا ہے، یہ کبھی تھکتے نہیں اور ہمیشہ گردہ میں ڈرتے ہیں لہذا اوقات ان کی تعداد دوسرے اوپر ہو جاتی ہے۔ یہ خوراک کے لیے شکار نہیں کرتے بس کسی امتیاز کے بغیر جان دار کو چیر بھاڑ کے رکھ دیتے ہیں، موقع ملے پر اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں بخشتے۔ کوئی جانور ایسا نہیں جو اس غول بیابانی کو دیکھ کر بھاگ نہ اٹھتا ہو۔

ایک بار میں نے دوزخی کتوں کو ایک شیر کا تعاقب کرتے دیکھا تھا۔ دیکھتے دیکھتے انھوں نے شیر کو اُدھیر ڈالا۔ وہ کبھی جان دار کے گلے پر حملہ نہیں کرتے بلکہ اُس کے دائیں اور بائیں اور پیچھے دوڑ کر اُسے دہشت کرتے رہتے ہیں کبھی کبھی تیز ماخوڑوں سے اُسے چر کے نکالتے ہیں، ٹانگوں پر زانت مارتے ہیں اور اُس کا پیٹ پھاڑ دیتے ہیں جان دار ٹھکی ہوئی اور بھڑکی کے ساتھ خوف و دہشت سے اندھیل کی طرح آگے گھسنا رہتا ہے۔ اس دوران کتے ایک آواز ہو کر بھونکتے رہتے ہیں۔

کم سے کم پچاس خوں خوار کتے فرینک کو گھیرے ہوئے تھے اور وہ بندوق چلا رہا تھا۔ اُس کی ہنسی دم توڑ چکی تھی۔ اُس نے دوڑتے دوڑتے دو چار کتے مار گرائے پھر اُس کی بندوق خالی ہو گئی۔ اب اُس کے پاس بندوق بھرنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ نال سے گولی نکلنے کے بجائے کالی پلی پھلجڑیاں سی چھوئیں تو فرینک کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ دو کتے اُس پر چھپے وہ بھاگا مگر اب راستہ دھونڈنے اور کتوں سے بچ نکلنے کا وقت گزر چکا تھا۔ فرینک کی پٹی ہوئی پتلون سے خون رسنے لگا۔ اُس کے ہاتھ لہراہے تھے اور بھاگتے میں گردن کے پیچھے تن گئے تھے۔

میں نے بھاڑی میں دبکے ہوئے اپنی بندوق سے کئی کتے مارے دوسرے کتے اُن کی لاشوں پر چھپے اور انہیں چیر بھاڑ کر چٹ کر گئے۔ میں اب بھی جلا چلا کے فرینک سے بھاڑیوں میں گھس جانے کو کہہ رہا تھا۔ میرے

سب رنگ

پاس اب حرف چند کار توں رہ گئے تھے سات میگزین میں اور ایک برہنج میں۔ میں اپنا پستول اور کار توں کی مٹی کیمپ ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ دوزخی کتوں کا سامنا ہو جائے گا۔ میں جلتا رہا اور گولی چلاتا رہا۔ آخر ساری گولیاں ختم ہو گئیں۔ اب کتوں نے چار حصوں میں بٹ کر پوری طرح فرینک کی ناکا بندی کر لی تھی ایک اور جتھا دوڑتا ہوا میری طرف آگیا۔ میں نے دو کتوں کے سر بٹ سے پھاڑ دیے اور بھاڑیوں میں مزید پیچھے ہٹ آیا۔ کتے اپنے مردہ ساتھیوں کو پھرنے پھاڑنے لگے۔

فرینک اندھوں کی طرح بھاگ رہا تھا۔ کتے اُسے بھاگاتے تھے۔ اب اُن کا کھیل صحیح معنوں میں شروع ہو چکا تھا۔ وہ اپنے شکار کو دوڑا کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اُن کا ہوش بڑھتا جا رہا تھا، خون آلود دانت نکال نکال کے وہ فرینک کو اکسا رہے تھے تاکہ وہ اور تیز دوڑے۔ کتے اُسے کاٹتے اور پنجے مارتے ہوئے مسلسل بھنک رہے تھے۔ فرینک کی رفتار دھیمی ہو جاتی تو وہ اُس پر ٹوٹ پڑتے۔ اُس کی پتلون اور قمیص جیتھڑوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔

وہ ایک ارے میں دوڑ رہا تھا۔ ایک لحظہ وہ دوڑتا ہوا میری بھاڑی کے قریب آگیا۔ اُسی وقت مجھے گویسی بھی نظر آیا، مگر وہ غول کے بل گھسٹ رہا تھا، کیمپ اور خون میں لت پت ہونے کی وجہ سے وہ بہت بہت ناک معلوم ہو رہا تھا۔ کتوں کا غول اُسے روندنا ہوا آگے بڑھ گیا۔

فرینک دوڑتے دوڑتے میرے سامنے سے گزر گیا۔ وہ برابر دوڑ رہا تھا۔ میں لڑویدہ سا دیکھا ہوا اُسے بھاگتے دیکھتا رہا۔ مجھے دیکھ کر وہ مدد کے لیے چنچا مگر میں کیا کر سکتا تھا۔ میری بندوق خالی تھی اور کتوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ میں بھاڑی سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ فرینک خوف و دہشت کی ایک متحرک تصویر بن چکا تھا۔ اُس کے زخم اُس کی رفتار میں کاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ اُس کا جسم بڑی طرح ہلکے کھار رہا تھا مگر وہ رکا نہیں، تمام تر قوت مجتمع کر کے مسلسل بھاگتا رہا۔ بھاگتے بھاگتے وہ ایک بار پھر میرے سامنے سے گزرا۔ کتوں کو مزا آ رہا تھا، وہ اُس کی ہمت

مغربی جرمی میں سب رنگ

جاصل کرنے کے لیے رجوع کریں
MALIK HABIB ULLAH
805 - OFFENRACH/MIERLINEN STR 286
(WEST GERMANY) TEL : 0611-818701

افزائی کر رہے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ شکار کو بھاگتے رہنے پر کس طرح مجبور کرتے ہیں۔ فرینک لاکھڑانے لگا تھا مگر بھاگے جا رہا تھا۔ کتے ابھی اُسے جان سے مارنے پر تیار نہیں تھے۔ فرینک کے قدم پھر سست پڑے تو کتوں کا لڈرگے بڑھا اور اچھل کے صفائی سے اُس کی کمر کا تھوڑا سا گوشت اڈھیر کر لے گیا۔ فرینک نے اُسی حالت میں نہ جانے کتنے بچکر لگائے اور پھر سست پڑنے لگا۔ کپڑوں کی وجہیاں بھی اُس کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئیں۔ وہ ریت پیسنے اور خون میں نہا گیا۔ دارے میں دڑتے ہوئے وہ ایک بار اور میرے سامنے سے گزرا۔ وہ اب آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس کی گردن کے چٹھے چٹھے کی طرف کھینچ آئے تھے اور مانگیں بڑی بے ترتیب پڑ رہی تھیں۔ وہ آخری کوششوں میں مصروف تھا۔

کتے دو کڑیوں میں بٹ گئے۔ ایک کڑی دائیں طرف ہو گئی دوسری بائیں طرف۔ فرینک سست ہونے لگا تو کتے بھی اپنی رفتار کم کر دیتے۔ وہ اُسے نوچے کھسوتے ہوئے خود سے چند قدم آگے دھکے کی کوشش کر رہے تھے۔ کھیل ٹویل تر کرنے کی ہر ترکیب انھیں معلوم تھی۔ انھوں نے فرینک کو ایک گھنے ٹمک ڈرایا۔ اُس کا سینہ سانس کی تیزی سے پھٹا جا رہا تھا مگر وہ اب بھی بھاگنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ گر پڑنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ معلوم نہیں اب تک وہ کیسے اپنی مانگوں پر دوڑ رہا تھا۔

پھر اچانک اُس کے باقی ساتھی آگئے۔ وہ کیمپ کا سامان سیٹ کر رکھ کر پر آئے تھے۔ محفوظ ٹرکوں سے پانچ رائفلیں بیک وقت گولیاں برسائے گئیں۔ کتے ایک ایک کسے اپنے انجام کو پہنچنے لگے۔ فرینک کو بہترین طبی امداد پہنچانی گئی اور گوبھی کی کچی کھچا لاش دفن کر کے اُس کی قبر پر ایک نشانی کھڑی کر دی گئی۔ ایک آدمی نے دائیں کے ذریعے امدادی پہلی کا پٹر بھی بلوایا تھا، وہ فرینک کو فوراً اسپتال کی طرف لے اڑا۔

میں نے رُوداد ختم کی تو باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔ کمرے کی کھڑکی سے ایک نیون سائن چمکا نظر آ رہا تھا۔ فرینک کی بیوی دیر تک بچھی بچھی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی پھر دھیرے سے ہنس پڑی۔

کتے! وہ بولی: نہیں نہیں بھلا کون یقین کر سکتا ہے؟
میں نے گھڑی دیکھی: میرا خیال ہے خاصا وقت ہو چکا ہے۔ آپ کے اپنے انصاف وال سے بھی ملتا ہے کہیں دیر نہ ہو جائے۔
کتے! تو یہ بات تھی: اُس نے چمک کر میری طرف دیکھا: مسٹر

وینڈی! میں آپ کا دن اُس نے اپنے تمام شکاری کتوں کو بھجایا تھا۔ کتوں کو دور رہنا ہے لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ ڈرائنگ پھر بولی: میکس! واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے ہم ایک بار ایک کیفے میں بیٹھے تھے! اچانک چند آدمی اندر آ گئے، وہ میز کرسیوں کے نیچے پڑی ہوئی ہڈیاں وغیرہ کھانے لگے۔ فرینک ایک دم کرسی سے چمک گیا، اُس کے چہرے پر ہولناکیاں اُٹنے لگیں۔ پھر وہ یکایک اٹھا اور دوڑتا ہوا کیفے سے نکل گیا۔ شرک پر پہنچنے کے بعد ہی وہ دُور تک بھاگتا رہا۔ بعد میں اُس نے مجھے بتایا کہ اُس وقت بیٹھے بیٹھے اُس کا دل اچانک دوڑ لگانے کو چاہا تھا۔

مجھے یقین ہے اُس نے یہی کیا ہو گا۔ میں نے سر ہلایا۔
اور اُس کے جسم پر زخموں کے جو خوف ناک نشان تھے اُن کے متعلق اُس نے بتایا تھا کہ یہ زخم اُسے جنگ کے دوران لگے تھے۔
نہیں! میں نے اُنھ کو بستی جلادی۔ فرینک کی بیوی کے انصاف پر غریب اتر آئی تھی اور آنکھوں میں سرسبکی کی جگہ ٹھیراؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ اُس نے دُزدیدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور مسکرا دی۔ وہ اُٹھ جاتے ہوئے اُس کی رفتار بدلی ہوئی تھی۔

کئی ماہ بعد کا ذکر ہے۔ میں آسٹریلیا میں تھا، مجھے اپنے ناشر کے ذریعے فرینک کی بیوی کا خط ملا۔ لفافے میں اخبار کے ایک تراشے کے ساتھ اُس کی ایک تصویر بھی تھی۔ تصویر میں وہ میری طرف دیکھ کر مسکراتی تھی اور ہاتھ ہلاتی تھی۔ میں پہلی نظر میں اُسے شناخت نہیں کر سکا کیونکہ اب وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسین اور صحت مند تھی۔ اجاری تراشے کی یہ تھی: پچاس لاکھ ڈالر کے عوض طلاق۔ فرینک کی بیوی نے خط میں لکھا تھا۔

ڈیر مسٹر وینڈی! بے حد شکریہ۔ پاس گزاری کے طور پر ایک لاکھ ڈالر کا حقیر تدارک پیش خدمت ہے۔ آہ! یہ سب کچھ کس قدر آسان ثابت ہوا۔ میں آپ کے پاس سے اُنھ کو باہر آئی تھی تو میرا خوف ہوا وہ چکا تھا، حالانکہ یہ خوف برسوں سے میرے ذہن کے ساتھ مچکا ڈر کی طرح چمکا ہوا تھا! اُس دن میں ماہر نفسیات کے پاس بھی نہیں گئی، ضرورت ہی نہیں تھی۔ میں راتے میں ایک جگہ رگ گئی تھی اور دو کتے خرید کر ساتھ لے گئی تھی۔

آپ کی بے حد شکر گزار مایا

Zegham imran